جناب ثروت صولت

عثمانی دور میں ترکی کے رفاہی، دینی اور علمی اداروں کی عمارتیں

ترکی زبان میں ایک اصطلاح ہے جسے کلیہ کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح مختلف رفاہی کاموں کے لیے ایک ہی جگہ تعمیر کی جانے والی عمارتوں کے مجموعے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ عمارتوں کا یہ مجموعہ عام طور پر ایک مسجد، ایک مدرسہ اور ایک شفاخانے پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ تمام چیزیں یا تو ایک ہی عمارت میں ہوتی تھیں یا ایک ہی جگہ الگ الگ عمارتوں کی شکل میں تعمیر کی جاتی تھیں۔ اس طرز کی عمارتیں غالباً ترکی کے ساتھ مخصوص ہیں کیونکہ اس کی مثال دوسرے اسلامی ملکوں میں نظر نہیں آتی۔ کلیہ دراصل وہی چیز ہے جسے انگریزی میں کمپلیکس (COMPLEX) کہا جاتا ہے۔

سلطنتِ عثمانیہ میں قائم کیے جانے والے کلیے عثمانی سلاطین کی بڑھتی ہوئی احساسِ ذمہ داری کے مظہر تھے۔ ذمہ داری کا یہ احساس عثمانیوں سے قبل سلجوقی سلاطین میں بھی پوری قوت سے موجود تھا۔ بنیادی طور پر یہ وہ خصوصیت ہے جو اناطولیہ کے تمام ترک حکمرانوں میں پائی جاتی تھی۔ ان میں بیشتر حکمران ایسے تھے جو تخت نشین ہوتے ہی مدرسے، شفاخانے، کارواں سرائے بنانا شروع کر دیتے تھے۔ سلجوقی سلاطین نے جو خود بھی اعلیٰ ثقافتی سطح کے مالک ہوتے تھے، اناطولیہ کے طول و عرض میں اس قسم کی بے شمار رفاہی عمارتیں تعمیر کیں جن کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ سلطان محمد فاتح اور سلیمان قانونی کی سلطنت کی طرح سلجوقیوں کی کوئی طاقتور مرکزی تنظیم نہیں تھی۔ صرف علاء الدین کیقباد اول کے تحت مختصر مدت کے لیے ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم ہوئی تھی، اس کے لیے سلجوقی دور میں عمارتوں کی تعمیر کا کام مرکزی حکومت سے زیادہ انفرادی نوعیت کا ہوتا تھا۔ سلطان کے علاوہ وزرا اور امرا بھی رفاہی مقاصد کے لیے عمارتیں تعمیر کراتے تھے۔ اس کی ایک مثال ۱۲۷۱ء میں سیواس میں تعمیر کی جانے والی تین عمارتیں ہیں، ۱۔ مدرسہ چفتہ منار، ۲۔ گوک مدرسہ، ۳۔ بروجیہ مدرسہ۔ ان میں گوک مدرسے کو مشہور

سلجوقی وزیر صاحب عطا فخر الدین علی نے، مدرسہ چفتہ منار کو منگول حکومت کے نمائندے نے اور بروجیہ مدرسے کو ایک دولت مند ایرانی مظفر الدین بروجردی نے بنوایا تھا۔ صاحب عطا کو اس میدان میں پیشرو کی حیثیت حاصل ہے، کیوں کہ اس نے قونیہ اور قیصری جیسے سلجوقی مرکزوں میں بھی اہم عمارتیں تعمیر کرائیں۔ سیواس ہی میں چفتہ مدرسہ کے سامنے ۱۲۱۷ء میں ایک شفاخانہ اور اس کے قریب ایک طبی مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اگر سیواس کے ان مدرسوں کو اناطولیہ کی پہلی یونیورسٹی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

عثمانی دور کے عظیم کلیے اس طرز پر بنائے جاتے تھے کہ مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور دوسرے ادارے مسجد کے چاروں طرف تعمیر کیے جاتے تھے۔ سلجوقی دور میں مرکز کو اس طرح کی مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی، نہ کلیے میں اور نہ کسی اور طرح سے۔ سلجوقیوں نے جس قدر عمارتیں بنوائیں اگر ان کو شمار کیا جائے تو ان میں مسجدوں کی تعداد دوسری عمارتوں کی نسبت کم ہوگی۔ عثمانیوں کے کلیے میں مسجد کی یہ مرکزی حیثیت اس بات کی مظہر تھی کہ دنیوی طاقت کے اوپر ایک الٰہی طاقت بھی ہے۔ یہ بات عثمانیوں کے معاشرتی نظام میں مذہب کی اہمیت کا ثبوت ہے۔

اس طرز کی عمارتیں سلجوقی دور ہی میں بننا شروع ہو گئی تھیں، لیکن عثمانی ترکوں نے جس عمارت کو نمونے کے طور پر لیا وہ قرامان (قونیہ) کے حکمران ابراہیم بے کا "عمارت خانہ" تھا۔ عمارت خانہ بھی اپنے مخصوص معنوں میں ترکی اصطلاح ہے۔ اناطولیہ کے ترک اس عمارت کو جو غریبوں کو کھانا کھلانے کے لیے مخصوص ہوتی تھی، عمارت خانہ کہتے تھے اور بعض اوقات اس کے لیے صرف عمارت کا لفظ بھی استعمال کرتے تھے۔ غالباً یہ وہی چیز ہے جسے ہم برصغیر میں لنگر خانہ کہتے تھے۔ ابراہیم بے نے جو عمارت خانہ تعمیر کیا تھا وہ ایک مسجد، ایک مدرسے، ایک دارالقراء (جہاں قرآن تلاوت کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی) اور ایک مطبخ پر مشتمل تھا۔ سلجوقی دور کے کلیوں کے مقابلے میں یہ عمارت خانہ زیادہ وسیع اور زیادہ عمارتوں کا مجموعہ تھا۔ سلجوقی دور کے کلیے مسجد، مدرسہ اور مقبرہ پر مشتمل ہوتے تھے۔ بعض کلیوں میں پہلو بہ پہلو دو مدرسے بھی ہوتے تھے جن کو "دو چفتہ مدرسے" بھی کہا جاتا تھا۔ اس کی ایک مثال قیصری کا تاریخی چفتہ مدرسہ ہے جو ۱۲۰۴ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔ مسجد اور شفاخانے پر مشتمل کلیہ کی مثال دیوریک کی اولو جامع مسجد (بڑی مسجد) اور شفاخانہ ہے جو ۱۲۲۹ کی تعمیر ہے۔ مسجد، مدرسہ اور مقبرہ پر مشتمل کلیہ کی مثال ۱۲۳۶ء میں تعمیر ہونے والا قیصری کا حونات خاتون کا کلیہ ہے۔ قیصری ہی میں ۱۲۷۳ء میں تعمیر کیا جانے والا حاجی قلیچ کا کلیہ بھی اسی طرح کا ہے۔

قونیہ کا سراچلی مدرسہ (۱۲۴۳ء)، سیواس کا شفاخانہ (۱۲۱۷ء) اور ارضِ روم کا چفتہ مینار مدرسہ (۱۲۵۲ء) اس قسم کے کلیّوں کی دوسری مثالیں ہیں۔ سلجوقی دور کی بعض کارواں سراؤں میں بھی مسجد، حمام اور مقبرے یک جا ہوتے تھے۔

عثمانیوں کے ابتدائی دور میں سلجوقی روایات کے مطابق ایسے کلیّے نظر آتے ہیں، جو مسجد، مدرسہ اور مقبرہ پر مشتمل ہوتے تھے۔ بروصہ میں مراد اوّل (۱۳۶۰ء تا ۱۳۸۹ء) کی جامع خداوندگار کی نچلی منزل میں مسجد اور بالائی منزل میں مدرسہ ہے۔ اسی طرح بایزید یلدرم کی مسجد اور ییشیل جامع (سبز مسجد) میں جو ۱۴۲۴ء کی تعمیر ہے، مسجد کے پہلو بہ پہلو مدرسے موجود ہیں۔ لیکن قرہ مان کے ابراہیم بے کے عمارت خانے میں پہلی مرتبہ کثیر المقاصد عمارتوں کی تعداد میں اضافہ نظر آتا ہے اور اس طرح کلیّے سے دنیوی اور دینی استفادے کا دائرہ بڑھا دیا گیا۔

کلیہ محمد فاتح

عثمانی دور کا پہلا قابلِ ذکر کلیّہ محمد فاتح کے زمانے میں بنایا گیا۔ یہ کلیہ استنبول میں ۱۴۶۳ء اور ۱۴۷۰ء کے درمیان تعمیر ہوا۔ اس میں اور اسماعیل بے کے کلیّے میں بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ فاتح کا کلیہ ایک ایسی عمارت ہے جس کا اس سے پہلے کوئی نمونہ نظر نہیں آتا۔ اس میں صرف عمارتوں کی تعداد ہی زیادہ نہیں ہے بلکہ اس کا بنیادی نقشہ اور طرزِ تعمیر بھی نیا اور مختلف ہے۔ یہ کلیہ جامع فاتح کے گرد تعمیر کیا گیا ہے، گویا مسجد کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے چاروں طرف کلیے کی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ دو اطراف میں آٹھ مدرسوں کا ایک سلسلہ ہے جن سے متصل اور کئی چھوٹے چھوٹے مدرسے ہیں جن کو تتمہ مدرسے یعنی اضافی مدرسے کہا جاتا تھا۔ مسجد کے مشرق میں ایک مطبخ ہے جو غریب سیاحوں کے لیے مسافر خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ قریب ہی لنگر خانے کی عمارت ہے، جہاں سے غریبوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ مدرسے کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے بھی کھانا اسی جگہ تیار کیا جاتا تھا۔ ایک اور عمارت دار الشفا نام کی تھی جو استنبول کا پہلا عثمانی شفاخانہ تھا، لیکن جس کی عمارت اب موجود نہیں۔ مسجد بھی ۱۷۶۶ء کے زلزلے میں گر گئی تھی، جس کے بعد اسے از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ مسجد سے ملحق باغیچے میں سلطان محمد فاتح کی قبر ہے۔ اس کے علاوہ کلیے میں ایک سرائے اور ایک حمام بھی موجود تھا، لیکن اب یہ موجود نہیں۔ ۱۷۵۵ء میں سلطان محمود اوّل نے ان عمارتوں میں ایک کتب خانے کا اور اضافہ کیا، جو غالباً فاتح کے کلیے میں پہلے سے موجود تھا۔

ان عمارتوں سے متعلق جو اوقاف نامے موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتح کا کلیہ ایک ایسے رفاہی مرکز کے طور پر قائم کیا گیا تھا جہاں مختلف قسم کی سماجی خدمات انجام دی جاتیں۔ جہاں تک فنِ تعمیر کا تعلق ہے وہ ایک منظم اور بڑھتی ہوئی سلطنت کے فنِ تعمیر سے ہم آہنگ تھا۔

ادرنہ کا کلیہ

ادرنہ جسے کبھی ایڈریانوپل کہا جاتا تھا اب ترکی کا معمولی قصبہ ہے، جس کی آبادی پچاس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ لیکن عثمانی سلطنت کے عروج کے زمانے میں اس کی آبادی تین اور ساڑھے تین لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اور ۱۸۰۰ء تک یہ شہر استنبول اور قاہرہ کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ استنبول کے بعد عثمانی دور کی سب سے شاندار عمارتیں اسی شہر میں تعمیر کی گئیں۔ چنانچہ فاتح کے کلیے کے بعد دوسرا بڑا عثمانی کلیہ بھی ادرنہ ہی میں تعمیر کیا گیا۔ یہ کلیہ بایزید ثانی نے ۱۴۸۴ء اور ۱۴۸۸ء کے درمیان تعمیر کرایا تھا۔ اس کلیے میں مسجد کے اطراف میں عمارت خانہ (لنگر خانہ)، شفاخانہ، پاگل خانہ، مدرسہ، حمام، باورچی خانہ اور گودام تعمیر کیے گئے تھے۔ اپنے زمانے میں یہ کلیہ نہ صرف عثمانی سلطنت میں بلکہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ بڑے رفاہی ادارے کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں عمارتوں کی ترتیب فاتح کے کلیے سے مختلف ہے۔ کلیے میں کل ایک سو گنبد ہیں۔ مسجد کے گنبد کا قطر ۲۲½ میٹر ہے۔ اس مسجد اور کلیے کو بایزید ثانی کے حکم سے معمار خیر الدین نے تعمیر کیا تھا۔ کلیے میں خادموں کی تعداد ایک سو سرسٹھ (۱۶۷) تھی۔

سلطان بایزید ثانی نے اناطولیہ میں شہر اماسیہ میں بھی ایک کلیہ ۱۴۸۶ء میں تعمیر کرایا تھا جو دریائے ییشیل ارماق کے کنارے واقع ہے۔ یہ بھی اپنی وسعت میں استنبول اور ادرنہ کے بڑے کلیوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ بایزید شہزادگی کے زمانے میں یہاں کا والی تھا اور وہ پچیس سال اس شہر میں رہا تھا۔ یہ کلیہ مسجد، مدرسہ، کتب خانہ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ زلزلوں سے یہاں کی عمارتوں کو بہت نقصان پہنچا لیکن پھر بھی کئی عمارتیں اچھی حالت میں ہیں۔ یہاں کے کتب خانے میں آج کل بیس ہزار کتابیں موجود ہیں۔

کلیۂ سلیمانیہ

سلطان سلیمان قانونی نے جامع سلیمانیہ کے گرد جو کلیہ تعمیر کرایا اس میں فاتح کے کلیے کے طرز کو زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ شاندار طریقے سے اختیار کیا گیا۔ جامع سلیمانیہ اور کلیہ معمار سنان کی تعمیر ہیں جو عثمانی ترکوں کا سب سے بڑا معمار تھا اور جس کو بجا طور پر دنیا کے عظیم ترین معماروں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

یہ کلیہ استنبول میں ۱۵۵۰ء اور ۱۵۵۷ء کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ مسجد کے جنوب میں سلیمان قانونی اور شاہی خاندان کے دوسرے افراد کی قبریں ہیں۔ مسجد کے مغرب اور مشرق میں مدرسوں کی دو عمارتیں ہیں۔ اس سمت میں حمام اور دار الحدیث تھا۔ مشرقی سمت میں مدرسے کے ساتھ طب کا ایک مدرسہ تھا جس کا اب صرف ایک حصہ شکستہ حالت میں باقی ہے۔ مسجد کے صحن کے شمالی کنارے پر دار الشفا، دار الضیافت اور مطبخ کی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ اس کلیے میں ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں اس وقت تقریباً ۴۸ ہزار قلمی کتابیں ہیں اور جو عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات کا دنیا میں سب سے بڑا کتب خانہ ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام میں جس قدر نیک کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سب کی بجا آوری کا انتظام اس کلیے میں تھا۔ ہر ضرورت کے لیے یہاں ایک ایک عمارت موجود تھی اور ان عمارتوں کے درمیان بے مثل ترتیب اور ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ یہ کلیہ کیا تھا، چھوٹے پیمانے پر ایک شہر تھا، جو دینی، رفاہی، ثقافتی اور سماجی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔

کلیہ سلطان احمد

سلطنتِ عثمانیہ کا آخری بڑا کلیہ سلطان احمد اوّل کا کلیہ ہے، جسے معمار اور صدف کار محمد آغا نے ۱۶۰۹ء اور ۱۶۱۷ء کے درمیان استنبول میں تعمیر کیا تھا۔ مسجد سلطان احمد جسے نیلی مسجد بھی کہا جاتا ہے، عثمانی فنِ تعمیر کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ یہ مسجد، ایک دار الشفا، ایک مسافر خانہ، ایک عمارت خانہ، ایک مکتب اور ایک مقبرے پر مشتمل کلیے کا مرکز ہے۔ بعد میں یہاں دو اور عمارتیں تعمیر کی گئیں، ان میں ایک عمارت جو آراستہ کہلاتی تھی دکانوں پر مشتمل تھی اور دوسری عمارت سبیل کے لیے تعمیر کی گئی تھی۔ آراستہ ترکی زبان میں ایسی سڑک کو کہتے ہیں جس کے دونوں طرف دکانیں ہوں۔ پانی کی فراہمی کارِ ثواب ہے اس لیے ترکوں نے اپنے دار السلطنت کو ایسی سبیلوں سے سجا دیا جو بذاتِ خود فنِ تعمیر کا حسین نمونہ ہیں۔ استنبول کی ان سبیلوں کا بیان ایک مستقل عنوان کا محتاج ہے۔ بازار تعمیر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کلیے میں کام کرنے والوں کی ضرورت پوری کرنے کا انتظام اسی جگہ کر دیا جائے۔ آج کلیہ سلطان احمد کی بیشتر عمارتیں منہدم ہو چکی ہیں لیکن جامع سلطان احمد پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے۔

سلطان احمد اوّل کے بعد ایسے بڑے کلیے تعمیر نہیں کیے گئے جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس کی وجہ سلطنتِ عثمانیہ کا زوال ہے۔ دورِ زوال میں بڑے بڑے کلیوں کی جگہ چھوٹی چھوٹی عمارتیں تعمیر

کی جانے لگیں جن کی ترتیب بھی بڑے کلیوں سے مختلف ہے۔ مثلاً سلطان مصطفٰے سوم نے ۱۷۵۹ء اور ۱۷۶۳ء کے درمیان جو جامع لالہ بنوائی اس کے گرد مدرسہ، مقبرہ، لنگر خانہ، سبیل اور بازار (آراستہ) پائے جاتے ہیں۔ لیکن اب عام طور پر کلیہ میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں رہی۔ سلجوقی دور کی طرح مدرسہ، مقبرہ اور مسجد ایک ہی عمارت میں تعمیر کیے گئے ہیں۔ بعض جگہ ان میں سبیل کا بھی اضافہ کر دیا گیا تھا۔ ان کلیوں میں سلجوقی دور سے دوسری مشابہت یہ پائی جاتی ہے کہ اس زمانے میں انفرادی مسابقت نمایاں نظر آتی ہے۔ مثلاً علی پاشا حکیم اوغلو نے ۱۷۳۲ء اور ۱۷۳۴ء کے درمیان مسجد، مقبرہ اور کتب خانے پر مشتمل ایک کلیہ بنایا۔ سید حسن پاشا نے مدرسہ، مسجد، مکتب، سبیل اور سرائے پر مشتمل ۱۷۴۵ء میں ایک کلیہ تعمیر کروایا۔ یہ دونوں کلیے انفرادی کوششوں کی نمایاں مثالیں ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ

محمد اسحاق بھٹی

اس کتاب میں سلطان غیاث الدین بلبن (۶۸۶ھ) کے عہد سے لے کر سلطان اورنگ زیب عالمگیر (۱۱۱۸ھ) کے عہد تک کی تمام فقہی مساعی کا احاطہ کیا گیا ہے اور تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ برصغیر پاک و ہند علمِ فقہ سے کس طرح روشناس ہوا، یہاں کے علما و زعما نے کس محنت و جاں فشانی سے اس کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کیا اور کن اہم فقہی کتابوں کی تدوین کی۔ برصغیر پاک و ہند کے جن سلاطین کے دورِ حکومت میں کتبِ فقہ مرتب کی گئیں، ان کے عہد اور طریقِ حکومت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس زمانے کے علمائے کرام کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ حکمران علم و علما سے کس درجہ تعلق و ربط رکھتے تھے۔ پھر فقہ کی جن کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، اس کے اہم اقتباسات بھی فاضل مصنف نے درج کتاب کیے ہیں۔ آخر میں فقہ کی ان مشہور اکیاسی کتابوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں جو مختلف ملکوں میں تصنیف کی گئیں، جن کو مسائلِ فقہ کے اصل ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موضوع سے متعلق اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔

صفحات: ۴۰۸ قیمت: -/۱۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور